

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

## اشارات

اس ملک میں امن و امان کی صورت حال جس تشویشناک زقار سے بگڑ رہی ہے اُس سے امن پسند شہری سخت ہراساں اور پریشاں ہیں اور وہ بڑی مایوسی کے عالم میں پوچھتے ہیں کہ آخر اس خوفناک آغاز کا انجام کیا ہوگا۔ یہ صورت حال اور بھی سنگین ہو جاتی ہے جب اس ملک کا شہری یہ سوچتا ہے کہ یہ ساری امن سوز حرکات مارشل لا کے عین زیر سایہ ہو رہی ہیں اور مارشل لا کا آہنی پنجہ انہیں اپنی گرفت میں لینے سے عاجز ہے۔

ہم نے جنرل یحییٰ خاں کی غیر جانبداری کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور جمہوریت کی بجالی کے بارے میں ان کے عزائم کو ہمیشہ سراہا ہے۔ مگر ہم آج بڑے دکھ کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کی حکومت جس نوعیت کی غیر جانبداری اختیار کیے ہوئے ہے اس سے ایک طرف تو عدل و انصاف کے تقاضے بڑی طرح مجروح ہو رہے ہیں اور دوسری طرف ملک کے اندر بد امنی بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ جمہوریت کی بجالی کے لیے انتخابات کا اہتمام جو حکومت کر رہی ہو اس کا سیاسی پارٹیوں کے معاملہ میں غیر جانبدار ہونا بڑا قابلِ تنائش طرزِ عمل ہے مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہونا چاہیے کہ ظالم اور مظلوم، امن پسند اور تخریب پسند، شریعت اور شرعیہ کو ایک درجہ میں رکھا جائے، ان میں کوئی فرق نہ کیا جائے اور ان کے مابین بالکل خاموش تماشائی کا سارو تہ اختیار کر لیا جائے۔ جنرل یحییٰ صاحب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ظالم اور مظلوم کے درمیان غیر جانبداری اس چیز کا نام نہیں ہے کہ ظالم کو ظلم کرنے اور مظلوم کو ظلم سہنے کے لیے چھوڑ دیا جائے، نہ ظالم کا ہاتھ روکا جائے اور نہ مظلوم کو ظلم سے بچایا جائے نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ حضور مظلوم کی مدد کا معاملہ تو سمجھ میں آسکتا ہے مگر ظالم کی مدد سمجھ میں نہیں آتی۔ جواب میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ ظلم سے اس کا ہاتھ روکا جائے۔

عدل کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ مظلوم کو نہ صرف ظالم کی چیرہ دستیوں سے بچایا جائے بلکہ ظالم کا غور و طاقت اس طرح توڑ دیا جائے کہ وہ ایک مہذب معاشرے میں کسی پر ظلم کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارِ خلافت سنبھالتے وقت اس کی نازک ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں صاف طور پر کہا تھا کہ میرے نزدیک تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقت ور ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے دلوادوں، اور تم میں سے جو طاقت ور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کر لوں۔“

عوام کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت و پاسبانی حکومت کے اولین اور بنیادی فرائض میں سب سے اہم فرض ہے اور جو حکومت اس فرض کو کما حقہ انجام نہیں دیتی یا اس سے غفلت برتی ہے اسے مسندِ اقتدار پر متمکن رہنے کا کوئی حق نہیں۔ حکومت کے قیام کے بارے میں تجنب نظر یہ بھی آج تک سامنے آئے ہیں ان کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانی معاشرے میں حکومت جیسی قوتِ قاہرہ کے وجود کا بنیادی جواز یہی ہے کہ وہ اپنی طاقت سے اجتماعی زندگی میں امن و امان قائم کرے اور اپنے دائرہ اقتدار میں ایسے حالات پیدا کرے جن میں لوگ اپنی جان و مال، عزت و آبرو اور اپنے انسانی حقوق کے معاملے میں اپنے آپ کو بالکل محفوظ و مامون سمجھیں۔ حکومت کے باقی فرائض بعد میں آتے ہیں۔ جو حکومت اس اساسی فرض سے عہدہ برا نہیں ہو سکتی وہ آخر دوسرے فرائض کس طرح انجام دے سکتی ہے۔

ملک میں امن و امان کا قیام یوں تو بہر حال میں ضروری ہے مگر پاکستان میں اس وقت جبکہ اس کے باشندوں کو ایک نہایت نازک اور فیصلہ کن مرحلہ درپیش ہے، پُر امن ماحول کی اشد ضرورت ہے تاکہ وہ بغیر کسی خوف و ہراس کے اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکیں۔ ایک مختصر سا گروہ جو ووٹ کے ذریعے اپنی کامیابی کے امکانات معدوم سمجھتا ہے، ملک میں افراتفری پھیلا کر تختِ اقتدار پر ٹھکن ہونے کا شدید آرزو مند نظر آتا ہے۔ وہ راتے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے صبر آزامر حلے سے گزرنا نہیں چاہتا بلکہ عوام کے سروں کو روند کر تختِ شاہی پر براجمان ہونے کا متمنی ہے اور اس وجہ سے وہ تشدد کی کھلے طور پر تعلیم دیتا ہے۔

اس گروہ سے تعلق رکھنے والے لوگ جہاں جہاں بھی موجود ہیں انہوں نے شریفیت شہریوں پر عرصہٴ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ کالم گلوچ، بدزبانی، استعمالِ انگیزی، اتہام تراشی، مار پیٹ، مخالفت جماعتوں کے جلسوں میں غنڈہ گردی، حتیٰ کہ مخالفت لوگوں کے گھروں پر چڑھائی اس گروہ کے دل پسند مشاغل بن گئے ہیں۔ یہ لوگ بالکل علانیہ اپنے مخالفین کو خلیطہ گالیاں دیتے ہیں اور انہیں بغیر کسی وجہ کے تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ غریب عوام ان کے ہاتھوں سخت ستائے جا رہے ہیں۔ مگر وہ قانون ہاتھ میں لینے سے گریز کرتے ہیں۔ اور جب ان تشدد پسندوں کی غنڈہ گردی کے خلاف قانون کے محافظوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو اول تو کوئی شنوائی ہی نہیں ہوتی اور اگر کہیں ہوتی بھی ہے تو اس کا رد عمل بھی عجیب و غریب ہوتا ہے۔ چاہیے تو یہ کہ ان تشدد پسند عناصر کے خلاف کوئی موثر کارروائی کی جائے مگر اس کے بجائے عملاً ہوتا یہ ہے کہ جتنی تعداد میں یہ عناصر گرفت میں لائے جاتے ہیں اتنی ہی تعداد میں (شاید وزن برابر کرنے کے لیے) وہ شریف اور امن پسند شہری بھی جو ان ظالموں کے خلاف فریادی بن کر حکام کے پاس جاتے ہیں مفت میں دھر لیے جاتے ہیں اور انہیں بان پھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔

ممکن ہے اربابِ حکومت اپنے اس غیر منصفانہ طرزِ عمل سے عوام کو اپنے غیر جانبدار ہونے کا تاثر دینا چاہتے ہوں، مگر ہم انہیں صاف طور پر یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ محض ان کی خام خیالی ہے کیونکہ ان کی اس روش کو ملک میں کوئی معقول آدمی غیر جانبداری نہیں سمجھ رہا ہے اور اٹا تیاثر قائم ہو رہا ہے کہ

یہ تشدد پسند عناصر کی ہمت افزائی ہے۔ آخر غیر جانبداری کی یہ کونسی قسم ہے کہ ظالم اور سفاک کے ساتھ مظلوموں اور زیر دستوں کو بھی گرفت میں لے لیا جاتے تاکہ آئندہ وہ حکام سے اس ظلم کے خلاف فریاد کرنے کی بھی جرأت نہ کریں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کسی غیر جانبداری ہے کہ جو عناصر حکم کھلاتے تشدد، گھبرائو، "پرچی کی جگہ برچھی" اور "دوٹ کے بجائے چوٹ" کا اعلان کر رہے ہوں اور علانیہ انتخاب کے بجائے تشدد پسندانہ انقلاب کو ملک کے مسائل کا حل قرار دے رہے ہوں، ان سے کوئی باز پرس تک نہ کی جائے۔

اس قسم کی غیر جانبداری ظلم اور فساد کو پھیلانے میں بالواسطہ مدد و معاون ثابت ہو رہی ہے۔ اور اس سے شریکین عناصر کو تخریبی کارروائیاں کرنے کے لیے شہ مل رہی ہے۔ یہ سب کچھ خواہ کسی مصلحت سے کیا جا رہا ہو، بہر حال یہ نامناسب اور غیر منصفانہ بھی ہے اور اس سے عام ذہنوں میں اس طرح کے شکوک پیدا ہونے کو بھی نہیں روکا جاسکتا کہ حکومت اقتدار کی باگیں عوام کی طرف منتقل کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے۔ اسی لیے اس نے تخریب پسند عناصر کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے کہ وہ انتخابات سے پہلے ایسے حالات پیدا کر دیں کہ انتخابات منعقد نہ کرائے جاسکیں یا اگر وہ کرائے بھی جائیں تو عوام اپنی مرضی سے اپنے نمائندے منتخب نہ کر سکیں اور وہ خوف و ہراس کے عالم میں آمریت کا قلاب اپنی گردنوں میں ڈالنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

جنرل یحییٰ صاحب نے جہاں عوام کو جمہوریت کی بحالی کا ثرودہ جانفزا سنا یا ہے وہاں ان کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ اس کے لیے سازگار ماحول بھی پیدا کریں۔ اس ماحول کے بغیر یہ ثرودہ، ثرودہ نہیں بلکہ حسرت اور ناکامی کا دل سوز بلکہ دردناک پیغام ہوگا۔

اس ضمن میں ہم یہ بات عرض کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ کسی جلسے میں گر بڑ بچانے کے سلسلے میں چند افراد کو زیر جرات لے لینے سے امن پسندانہ ماحول پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے بعض مؤثر تدابیر کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے اُن بے لگام خطیبوں اور صحافیوں اور ادیبوں پر پابندی لگانا چاہیے جو زبان اور قلم کے استعمال کے معاملے میں بالکل مطلق العنان ہو گئے ہیں، فرقی مخالفت کے بارے میں جو جی میں آتا ہے کہہ اور رکھ جاتے ہیں اور بالکل نہیں سوچتے کہ وہ زبان اور قلم سے جو بڑا گل رہے ہیں اس سے عوام کے اندر کس قسم کا اشتعال پیدا ہو سکتا ہے۔

ہمارے ملک کی بیشتر آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ایک مسلمان کو فطری طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حبیب اللہ رضا بہ رضی اللہ عنہم اور ازواجِ مطہرات اور اہل بیت سے وابہارت محبت اور عقیدت ہوتی ہے اور یہ چیز ان کے ایمان کا بنیادی تقاضا ہے جس دل کے اندر ان عظیم اور قابل احترام ہستیوں کے لیے ادب و احترام کے جذبات موجود نہیں وہ دل نورِ ایمان سے خالی ہے۔ ایک مسلمان خواہ عملی اعتبار سے کتنا ہی پست ہو مگر ان مقدس نفوس کے بارے میں بڑے نازک جذبات رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہر شخص بخوبی جانتا ہے۔ کسی فرد یا گروہ کے خلاف عوام کے جذبات براگینختہ کرنے کے لیے اس کی طرف صرف یہ بات منسوب کر دینا کافی ہے کہ وہ ان بزرگ و بزرگ ہستیوں کی توہین کا مرتکب ہوا ہے۔ صرف اتنی بات زبان سے کہہ دینے سے اس فرد یا گروہ کو گردن زدنی قرار دیا جاسکتا ہے اور عوام کو اس کے قتل پر ابھارا جاسکتا ہے۔ ہمارے اس ملک میں خواندگی کا تناسب ہی کیا ہے اور خواندہ لوگوں میں بھی کتنے لوگ اس بات کا شعور اور اس ذمہ داری کا احساس رکھتے ہیں کہ کسی شخص کے خلاف کوئی الزام تسلیم کر لینے سے پہلے اس کی تحقیق کر لیں۔ صدیوں کے اخلاقی انحطاط کی وجہ سے ہم قرآن مجید کے اس فرمان کو کبیر بھلا چکے ہیں کہ جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آتے تو اس پر کوئی کارروائی کرنے سے پہلے اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کا بھی ہمیں کوئی پاس نہیں رہا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ جس طرح کوئی بات سُننے اُسے تحقیق کے بغیر دوسروں کی طرف منتقل کرتا رہے۔ ہمارے خطیبوں کی حالت یہ ہے کہ جس کے خلاف ان کے دل میں ذرا سی بھی نفرت اور عداوت ہوتی ہے اس پر جان بوجھ کر بدترین جھوٹے الزامات لگاتے چلے

جاتے ہیں اور ہمارے عوام کی حالت یہ ہے کہ کسی کے حق میں اچھی بات تو وہ بڑے تامل کے ساتھ قبول کرتے ہیں لیکن بڑی بات قبول کرنے اور اسے آگے دوسروں تک پہنچانے میں انہیں کوئی تامل نہیں ہوتا خدا کا خوف دلوں سے نکل چکا ہے۔ جھوٹ بولنے والوں کو شاید کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا کہ کبھی ان کو مرنے کا بھی ہے اور اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنی ان باتوں کی جواب دہی بھی کرنی ہے جو وہ زبان سے نکال رہے ہیں۔ اور جھوٹ سننے والے بھی اس بات کو بھول چکے ہیں کہ خدا کے ہاں زبانوں کے ساتھ کانوں کا بھی حساب لیا جانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارتداد ہے کہ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عِنْدَ مَسْئُوْلًا، بے شک کان، آنکھ اور دل، ان سب کے بارے میں جواب طلبی ہونی ہے تو نبی کریم ﷺ۔

الزام لگانے والوں نے مستقل طور پر یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ دوسرے شخص کی عبادتوں میں سے سیاق و سباق کو الگ کر کے کچھ فقرے اور الفاظ نکال لیتے ہیں اور ان کو اپنے مطلب کے معنی پہنا کر لوگوں کو یہ باور کرتے ہیں کہ ان کا الزام اس شخص کی فلاں تحریر سے ثابت ہو رہا ہے۔ حالانکہ اقتباس ایک ایسی چیز ہے کہ اگر کوئی شخص سیاق و سباق سے الگ کر لی ٹکڑا نکال لے تو انسانی کلام تو درکنار، اللہ تعالیٰ کے کلام سے بھی ایک ظالم یہ ثابت کر سکتا ہے کہ نماز کے قریب تک نہ پھینکنا چاہیے۔ اس طرح کی بددیانتی تو کسی شریعت آدمی کو بھی زیب نہیں دیتی، لہذا کہ یہ کام وہ لوگ کریں جو مسند رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہونے کے مدعی ہیں اور جن کی زبان فیض ترجمان سے صبح و شام اسلامی تعلیمات کے تذکرے ہوتے رہتے ہیں۔

کسی شخص کی کسی تحریر یا تقریر کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کے لیے مسلمانوں کے اہل علم میں چند اصول ہمیشہ مستم رہے ہیں :-

ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کے کسی ایک لفظ یا فقرے کو نہیں بلکہ اس کی پوری تحریر تقریر کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے گا کہ مصنف یا مقرر کا اصل مدعا کیا ہے، اور بے لاگ طریقے سے یہ

راتے قائم کی جائے گی کہ اس سیاق و سباق میں جو بات کہی گئی ہے اس سے کوئی ایسا مفہوم نکلا بھی ہے یا نہیں جو قابل گرفت ہو؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر مصنف یا مقرر کے علم میں یہ بات لائی گئی ہو کہ اس کی فلاں عبارت. یا فلاں جملے یا لفظ پر یہ گرفت کی گئی ہے، اور اس نے خود اپنے مدعا کی ایسی توضیح کر دی ہو جس سے معلوم ہو جاتا ہو کہ اس کے قول کا مطلب وہ نہیں ہے جو الزام لگانے والے اس سے نکال رہے ہیں، تو اس کی اپنی ہی توضیح کو تسلیم کیا جائے گا اور اس پر اصرار نہیں کیا جائے گا کہ اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو وہ خود بیان کر رہا ہے بلکہ وہ ہے جو الزام لگانے والے اس کے الفاظ سے نکال رہے ہیں۔

تیسرا اہم اصول یہ ہے کہ کسی خاص مسئلے میں اگر ایک مصنف یا مقرر اپنے خیالات کا بار بار مختلف مواقع اور اوقات میں مفصل اظہار کر چکا ہو تو اس مسئلے کے بارے میں اس کا اصل عقیدہ وہ قرار دیا جائے گا جو اس کے تمام بیانات پر بحیثیت مجموعی نگاہ ڈالنے سے ظاہر ہو رہا ہو، نہ کہ وہ جو اس کے کسی ایک فقرے یا جملے سے نکالا جاتا ہو اور جو اس کے مجموعی بیانات سے مطابقت نہ رکھتا ہو مثلاً ایک شخص ایک جگہ نہیں بلکہ بیسیوں مقامات پر اپنی تحریروں میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مناقب بیان کرتا ہے، ان کے ایمان و عمل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی جاں نثاری کو انتہائی عقیدت کے ساتھ خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ اسلام کے لیے ان کی پیش قیمت خدمات کا بار بار ذکر کرتا ہے اور ان کو سراہتا ہے۔ ان پر زبان طعن دراز کرنے والوں کے اعتراضات کا مدلل جواب دیتا ہے۔ ان کے اجماع و محبت مانتا ہے۔ مسائل شرعیہ میں اقوال صحابہ سے استدلال کرتا ہے۔ اور برہم لگتا ہے کہ نوع انسانی کی تاریخ نے انبیاء کے بعد صحابہؓ سے زیادہ مقدس گروہ نہ کبھی پہلے دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا۔ ایسے شخص کی ان تمام تحریروں کو نظر انداز کر کے اس کی بعض تحریروں کے کچھ جملے ادھر ادھر سے نکال کر اس پر توہین صحابہؓ کا الزام لگا دینا صریح بے انصافی قرار پائے گا۔

چوتھا اصول یہ ہے کہ جن مسائل یا معاملات میں صحابہؓ تابعین، تبع تابعین، بعد کے ائمہ اہل سنت، اکابر محدثین و مفسرین، فقہاء اور متکلمین کے اقوال مختلف رہے ہیں، ان میں اگر کوئی شخص کسی ایک قول کو

اختیار کرتا ہے اور ان اکابرِ سلف کا حوالہ بھی دے دیتا ہے جن کے قول کو اس نے اختیار کیا ہے، اور وہ دلائل بھی بیان کر دیتا ہے جن کی بنا پر اس نے ان کے قول کو قبول کیا ہے، تو اس کی رائے کو علمی دلائل کے ساتھ غلط ثابت کرنے کی کوشش تو کی جاسکتی ہے، مگر اسے بد عقیدہ یا ضال اور مسئلہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگرچہ اس طرح کی زیادتیاں پہلے بھی کی جاتی رہی ہیں، حتیٰ کہ امام ابو حنیفہ جیسی جلیل القدر زہد ستی کو بھی کہنے والوں نے گمراہ کہہ دیا ہے، مگر اکابرِ اہل علم نے کبھی الزام دہی کے اس طریقے کو پسند نہیں کیا ہے۔

پانچواں اصول یہ ہے کہ منفتی کو کسی شخص کے خلاف فتویٰ صادر کرنے سے پہلے اس کے عقیدے اور مسلک کی پوری تحقیق کرنی چاہیے اور اس بات پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے سامنے شخص موصوف کی کسی تحریر کے کچھ اقتباسات پیش کر دیئے گئے ہیں، یا اس کی کسی کتاب میں بعض جملوں پر نشان لگا کر صرف وہ جملے دکھا دیئے گئے ہیں۔ اگر منفتی کو اتنی فرصت نہیں ہے کہ مسئلہ زیر بحث کے بارے میں اس شخص کے مسلک کی پوری تحقیق کرے تو فتویٰ بڑ دینا کوئی بہت ضروری کام نہیں ہے کہ جو کچھ منفتی کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے اسی پر فتویٰ دے ڈالا جائے اور اس بات کا کوئی خیال نہ کیا جائے کہ اگر فتویٰ فی الواقع غلط ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں منفتی سے باز پرس ہوگی۔

بہین سخت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے معاملے میں یہ سارے اصول توڑ ڈالے گئے ہیں۔ اول تو ان کی تحریریں پڑھے بغیر اور ان کے مدعا اور مفہوم کو سمجھے بغیر ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جاتی ہیں جن کا ان کی تحریروں سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ پھر ان پر اتنا تراشی کے لیے جو عبارتیں پیش کی جاتی ہیں وہ ادھوری اور سیاق و سباق سے بالکل منقطع ہوتی ہیں بلکہ ان عبارتوں سے جو مطلب اخذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے پوری کتاب اس کی نہایت واضح تردید کرتی نظر آتی ہے۔ پھر اگر اس کوشش کے باوجود ان عبارتوں سے وہ مطلب نکلتا نظر نہیں آتا جسے وہ نکالنا چاہتے ہیں تو الفاظ کے اندر توڑ مروڑ کر وہ دل پسند مطلب نکال لیا جاتا ہے اور اس کی پھر خوب تشہیر کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں مولانا کی بلبلد کی تردید اور وضاحت کی طرف قطعاً کوئی توجیہ

نہیں دی جاتی۔ حد یہ ہے کہ ان کی ایسی تحریروں پر بھی الزام تراشیاں کی جاتی ہیں جن کا حوالہ انہوں نے اکابر سلف کی کتابوں سے دے دیا ہے۔ ان لوگوں کے اس طرزِ عمل سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر صرف مولانا اور جماعت اسلامی کو بذمہ نام کرنا ہے اور اس مقصد کے لیے کوئی بددیانتی کرنے میں بھی انہیں تامل نہیں ہے۔

کسی فریادگر وہ کے خلاف یوں تو کوئی بات بھی غلط منسوب کرنا سخت قابلِ مذمت فعل ہے۔ مگر کسی ایسی بات کا منسوب کرنا جس سے لوگوں کے جذبات اس کے خلاف مشتعل ہو جائیں اور عوام اس کے درپے آزار ہو جائیں، یہ ایک ایسا گھناؤنا طرزِ عمل ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ آخر ایک مسلمان پر اس سے زیادہ سنگین الزام کیا ہو سکتا ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات کی توہین کا ترکیب قرار دیا جائے؟ مسلمان تو اس ناپاک جسارت کے تصور سے خدا کی پناہ مانگتا ہے مگر جن لوگوں کے دلوں میں حسد اور کینے کی آگ لگ رہی ہے وہ اس سراسر جھوٹے الزام کو برابر دہراتے چلے جاتے ہیں اور بالکل نہیں سوچتے کہ آخر دنیا اور آخرت میں ان کی اس دُوع گوئی کا انجام کیا ہوگا؟ اور حکومت بھی اس بات پر ذرا غور نہیں کرتی کہ جب یہ الزام انتہائی اشتعال انگیز طریقہ سے دیہات و قصبات میں اور شہری عوام کے سامنے روزانہ جلسہ ہائے عام میں اور ہر جمعہ کو مسجدوں میں دہرایا جاتا رہے تو اس کے نتائج کیا ہونگے؟

حکومت اگر فی الحقیقت اس ملک میں قتل و غارت کو روکنا چاہتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس فتنہ پردازی کا سدباب کرے اور اس نوعیت کے اشتعال انگیز الزامات لگانے والوں کا سختی سے محاسبہ کرے۔ ممکن ہے کہ اس کا سدباب حکومت اس قسم کے الزامات کی سنگینی اور خوفناک عواقب سے پوری طرح واقف نہ ہوں۔ مگر انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح کے الزامات انتہائی خطرناک نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔ جس شخص پر یہ الزام عائد کیا جائے اس کے لیے اس سے بڑی رسوائی کوئی نہیں ہو سکتی اور پھر یہی چیز اس کے خلاف عوام کے زبردست اشتعال کا باعث بن کر

پورے ملک کو آگ کی پیٹ میں لے سکتی ہے حکومت کو اس معاملے میں بڑے تدبیر جرات اور عزم کا ثبوت دینا چاہیے۔

اس ضمن میں حکومت کو اس بات کا بھی اہتمام کرنا چاہیے کہ ملک کے اندر جو سیاسی پارٹیاں کام کر رہی ہیں انہیں کسی ضابطہ اخلاق کا عملاً پابند بنایا جائے۔ اس بارے میں سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ جو پارٹی کسی دوسری پارٹی پر یا اس کے لیڈر پر کوئی الزام لگاتی ہے اس الزام کے ثبوت کی ذمہ داری بھی اس پر عائد کی جائے اور اگر وہ الزام ثابت نہ کر سکے تو اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ اس وقت عملاً ہو یہ رہا ہے کہ جس کے جی میں جو آتمسے بغیر کسی خوف کے کہنا چلا جاتا ہے اور جتنا کوئی شخص یا گروہ اخلاقی احساسات سے نالی ہوتا ہے اسی نسبت سے وہ الزام تراشی کے معاملے میں بے لگام ہوتا ہے جس سے عوام کے ذہن ماؤف ہو جاتے ہیں اور وہ صحیح اور غلط کے درمیان فیصلہ نہیں کر پاتے۔ عوام کی سیاسی تربیت حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ جب تک ان کے اندر سیاسی شعور پیدا نہیں ہوتا وہ اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی صحیح قدم نہیں اٹھا سکتے۔ اس سیاسی تربیت کی ذمہ داری اگر ایک طرف حکومت پر عائد ہوتی ہے تو دوسری طرف سیاسی جماعتوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ ناجائز اتہام تراشی سے اجتناب کریں اور عوام میں سنسنی پیدا کرنے کی کوشش سے بچیں۔ حکومت کی ذمہ داری میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ ان لوگوں کا سختی سے محاسبہ کرے جو عوام میں سنسنی پیدا کر کے ان کے افکار میں تلامم اور جذبات میں اشتعال پیدا کرتے ہیں۔ اور اس تخریبی کام کو اپنی کامیابی کی ضمانت سمجھتے ہیں۔ سیاست بنیادی طور پر ایک شرفیاء نہ اجتماعی ذمہ داری کا نام ہے اس لیے جو لوگ اس کام کو اخلاقی ذمہ داریوں کے ساتھ انجام دیتے ہیں حکومت کو ان کے لیے آسانیاں پیدا کرنی چاہئیں تاکہ ملک میں صحت مند سرگرمیاں ابھر سکیں۔ اور اسی طرح حکومت کو ان سرخیز سیاستدانوں کی راہ روک دینی چاہیے جو سیاست کے اندر غیر صحت مند رجحانات اور تخریب پسندانہ کارروائیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ سیاسی زندگی میں یوں بھی بڑا جوش اور ولولہ ہوتا ہے اگر اس میں

ذرا سا بھی تو ازن بگڑ جائے تو یہ سدا جوش اور ولولہ نہایت خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے۔ دنیا میں آج تک قومی سطح پر جو فسادات ہوئے ہیں ان میں زیادہ تر دخل اس قسم کے غیر ذمہ دار سیاستدانوں اور مقررین کا ہے جو گھر بچھڑک تماشا دیکھنے کے عادی ہیں، غلط اسط باتیں کر کے عوام کو بھڑکا دیتے ہیں اور وہ بیچارے نا سمجھی کے عالم میں مختلف گروہوں میں بٹ کر ایک دوسرے پر پل پڑتے ہیں۔

ہماری حکومت کو اس مرحلہ پر پوری سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ جو لوگ کھلے بندوں خانہ جنگی اور قتل و غارت کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں اور اپنی تقریروں اور تحریروں میں برملا اس عزم کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ اگر انتخابات کے نتائج ان کی خواہش کے مطابق برآمد نہ ہوتے یا ملک کے مستقبل کی تعمیر کا نقشہ ان کی مرضی کے مطابق نہ بنا تو وہ اس ملک کو دوسرا دیت نام بنا دیں گے۔ کیا وہ کبھی اس ملک کے خیر اندیش ہو سکتے ہیں؟ اور کیا ان کی باتوں سے اغماض بڑنا ملک کو آگ اور خون کے سمندر میں پھینکنے کے مترادف نہیں؟

ممکن ہے حکومت ان لوگوں کی ان شعلہ بانیوں کو محض جذب کی بڑ سمجھ کر انہیں کوئی اہمیت نہ دے۔ مگر یہ صورت حال کا نہایت ہی غلط اندازہ ہے۔ اس طرح کی اشتعال انگیز باتیں عوام کے اندر تشدد کے جذبات پیدا کر دیتی ہیں اور وہ پھر کسی مسئلہ کو بھی تڈپڑ کے ساتھ حل کرنے کے بجائے ہمیشہ اندھی بہری قوت کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان غلط باتوں کے نتائج ہماری آنکھوں کے سامنے آ رہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پوری قوم خصوصاً نوجوان نسلوں کے ہوش پر جوش غالب ہے اور وہ چھین چھپٹ اور مرنے مارنے ہی میں اپنی اور اپنے ملک کی فلاح ڈھونڈ رہی ہیں۔ یہ صورت حال بڑی ہی تشویشناک ہے جس پر حکومت اور عوام اور خود ان لیڈروں کو جنہوں نے اپنی مقصد برآری کی خاطر اسے پیدا کیا ہے بڑے ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ نوجوانوں کا یہ تخریب پسندانہ جذباتی طرز عمل ہمارے ملک کو کس قسم کی مشکلات میں گرفتار کر دیکھا اور اس سے ملک کی معیشت ہموار اور قوت کس طرح تباہ ہوگی۔ ملک کے اندر خانہ جنگی کی آگ بھڑکا دینا تو کوئی مشکل کام نہیں۔ ہر دیوانہ جو

## (بقیہ اشارات)

کھٹنے یا بولنے پر معمولی سی بھی قدرت رکھتا ہے اور جو خوش کن نعروں اور دلفریب وعدوں کی مدد سے عوام کے جذبات کے ساتھ کھیل سکتا ہے، وہ ملک میں باسانی آگ لگا سکتا ہے۔ لیکن اگر تباہی و بربادی کا یہ سلسلہ ایک مرتبہ شروع ہو جائے تو پھر اس کی روک تھام بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی کارروائیوں کے خوفناک نتائج تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔

اس سلسلے میں حکومت اور ملک کے سارے سنجیدہ افراد کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ یہ جو اپنے مخالفین پر شب و روز کی چھڑا چھاننے کا سلسلہ چل نکلا ہے اس کا آخر انجام کیا ہوگا۔ اپنے مخالف کو رسوا اور بدنام کرنے کے لیے اس کے بارے میں آئے دن جو بالکل بے بنیاد باتیں گھڑی جاتی ہیں اور ان کو عام جلسوں میں یا اخبارات کے صفحات میں اچھالا جاتا ہے ان سے ہمارے نوجوان اس کے علاوہ اور کیا اثر میں گئے کہ ملی قیادت میں کوئی فرد بھی ملک و ملت کا خیر خواہ اور عوام کا مخلص خادم نہیں ہے بلکہ سب نفس کے بندے اور ملک اور عوام کے دشمن ہیں، غیر ملکی ایجنٹ ہیں ہنر فروش اور بکا و مال ہیں، اور سارا ملک ایماندار لوگوں سے خالی ہے۔

آپ اگر عام لوگوں میں چل پھر کر دیکھیں تو آپ ان کی زبان سے اسی قسم کے خیالات کا انہماک سنیں گے۔ ان عاقبت ناندیش سیاستدانوں نے قیادت کے بارے میں عوام کے اعتماد کو بری طرح تیز کر لیا ہے اور وہ اب کسی فرد یا گروہ پر بھروسہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہیں تیار۔ وہ ہر بہر کو فائن اور ہر رہنما کو ملک و ملت کا دشمن سمجھتے ہیں۔ وہ یہ بات باور ہی نہیں کر سکتے کہ یہاں کوئی فرد یا گروہ ان کا حقیقی خیر خواہ بھی ہو سکتا ہے اور بے غرضی کے ساتھ ملک کی بھلائی کے لیے کام کر سکتا ہے۔ عوام کے اندر جب رہنماؤں کے متعلق اس قسم کے خیالات پرورش پانے

ملکیں تو ملک کے اندر یاس و قنوطیت اور انتشار کی فضا پیدا ہو جاتی ہے جو انتہائی خطرناک ہے۔ صحت مند اجتماعی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں چند شخصیتیں تو ایسی رہ جائیں جن کا عوام کے دل میں احترام ہو اور جنہیں وہ اپنے اجتماعی معاملات کے لیے بھروسے کے قابل سمجھتے ہوں، تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنے معاملات اُن کے حوالے کر سکیں۔ اس اعتماد ہی سے ملک کے اندر قنوطیت ختم ہو سکتی اور صحت مند اجتماعی زندگی کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ اگر ملت کے ہر بہی خواہ کے پیرے پر سیاہی ملنا ہی سیاست کا کاروبار رہ جائے تو پھر اقراق و انتشار اس ملت کا مفقود ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس ملک اور قوم کو اس انجام بد سے محفوظ رکھے۔

## تصحیح

تفہیم القرآن جلد دوم، صفحہ ۲۴۹ سطر ایک میں قَوْمِ هُوْدٍ غلط لکھا گیا ہے۔ صحیح قَوْمِ هُوْدٍ ہے۔ جن حضرات کے پاس یہ کتاب موجود ہو وہ براہ کرم اس کی تصحیح کریں۔

## اعلان

تفہیم القرآن جلد دوم کا نیا ایڈیشن چھپ کر تیار ہو گیا ہے۔ خواہشمند حضرات مکتبہ تعمیر انسانیت، گوجرگلی لاہور سے طلب فرمائیں